

عصر جاہلی کے چند مشہور عربی نثری فنون کا تعارفی مطالعہ

ڈاکٹر شمس الحسن ظہیر

ڈاکٹر تحسین بی بی *

ABSTRACT

The formatted initiatives of history of Arabic literature are, as ancient as illiterate era. The age had plenty of almost all literary arts, although it were not in the managed shape like Islamic and mode eras. This age had both the literary arts i.e. poetry and prose. The first one was given full attention for hearing, singing and remembering, while the prose was about to be ignored in these aspects. Despite of done practice, some prosaic arts were orally noted and copied generation to generation. Later on, the arts were put down in their proper chapters with the development of the literature in omade and abase tenures. Some varieties of the prosaic arts are hereby introduced with explanation of its historical background, famous authorities, necessity and samples. This research contains on three sections with research study of three main arts; phrases, golden words and addresses. This research is made in descriptive manner in Urdu language. The purpose is, to make Urdu literates know

اسسٹنٹ پروفیسر، مرکز عربیہ ودراسات اسلامیہ، ویمن یونیورسٹی صوابی *

صدر شعبہ اردو، ویمن یونیورسٹی صوابی **

the limitations of Arabic prosaic arts of illiterate era. Thus, it will be a new addition for Urdu literates and writers.

Keywords: عربی لٹریچر، نثری ہنر، تاریخی پس منظر، ناخواندگی، امثال، اقوال زریں، حکمت

مقدمہ

قدیم اور جدید علماء ادب نے عربی ادب کی جو خدمت کی ہے اور جن مختلف زاویوں سے اس کو زیر بحث لایا ہے وہ ایک طویل الذیل موضوع ہے لیکن فن ادب کا ہر شناسا اس بات کا معترف ہے کہ اُن کی یہ کوششیں نہایت لائق تحسین اور قابل شکر ہیں اس لیے کہ ان کے اس جُہد اور کوشش کی اہمیت صرف ادب کی حد تک نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے فہم کے لیے بھی یہ ایک مرجع کی حیثیت رکھتا ہے اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کافران: "یا ایہا الناس: علیکم بدیوانکم لا یضل، قالوا: وما دیواننا؟ قال: شعر الجاہلیہ"¹ سے عربی دیوان کی اہمیت اُجاگر ہو رہی ہے۔

علم و جہل کے اعتبار سے عربی ادب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اول: جاہلی ادب۔ دوم: اسلامی ادبی سرمایہ۔ جاہلی ادب سے مراد اسلام سے پہلے دور کا ادبی سرمایہ ہوتا ہے جبکہ اسلامی ادبی سرمایہ سے زمانہ اسلام اور آمدِ حقانیت کے بعد والا عربی ادب مراد ہوتا ہے۔⁽²⁾ مزید یہ کہ جاہلی ادب کا بڑا حصہ نظم اور شعر پر مشتمل ہے جب کہ کچھ حصہ نثر ہے۔

جاہلی نثر کیا ہے؟ اس کی کیا اہمیت ہے؟ جاہلی نثر کا کتنا سرمایہ ہمیں پہنچا ہے؟ اور کون سے نثری فنون ادبی شکل میں ہمارے پاس موجود ہیں؟ ذیل میں ہم ان مباحث کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ موضوع تین اہم مباحث پر مشتمل ہے؛ بحثِ اول میں نثر کی تعریف اور اس کی اقسام کو مد نظر رکھا جائے گا جب کہ بحثِ ثانی میں نثر کی اہمیت اور عصرِ جاہلی میں ادبی نثر کے وجود پر بحث ہوگی اور بحثِ ثالث میں نثرِ جاہلی کے چند اہم فنون پر تفصیلاً مباحث بیان کیے جائیں گے۔

(1) التَّفْسِيرُ البَسیط، ابوالحسن شافعی نیشابوری، ج ۱، ص ۳۲۴

(2) أحمد بن محمد بن عبد ربہ الأندلسی، العقد الفرید، دار الکتب العلمیة، 1983ء (۴/۱)۔

مبحث اول

نثر کی تعریف اور مفہوم

نثر کا لغوی معنی ہے بکھیرنا۔ علامہ ابن منظور افریقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "نثرک الشئ بیدک ترمی به متفرقا مثل نثر الجوز واللوز" (1)

"یعنی: کسی چیز کو منتشر پھینکنا جیسے اخروٹ اور بادام (نکاح کے موقع پر) پھینکے جاتے ہیں۔ اس طرح کہا جاتا ہے: "نثر الکلام أي: أكثر الکلام" یعنی: "اس نے زیادہ باتیں کیں۔"

عام اصطلاح میں نثر نظم کی ضد کے طور پر استعمال ہوتی ہے چونکہ نظم اس کلام کو کہا جاتا ہے جو موزوں اور مقفی ہو تو نثر ایسا کلام کہلائے گا جو اوزان شعریہ اور قافیہ کے قیود سے آزاد ہو۔ چنانچہ احمد بن ابراہیم الهاشمی نثر کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"النثر: هو ما ليس مرتبطا بوزن ولا قافية" (2)

"نثر اس کلام کو کہتے ہیں جو اوزان اور قافیہ کے ساتھ مربوط نہ ہو۔"

نثر کی اقسام

نثر کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: اول: لغة التخاطب یا محادثہ اور دوم: فنی نثر۔

پہلی قسم ہم اپنے گھروں، دفاتروں، بازاروں اور ملنے جلنے کی دوسری جگہوں میں اپنی روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے اور اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے جو لغت اور زبان بولتے ہیں ظاہر ہے ایسے موقعوں پر انسان سوچ سمجھ کر خاص ترتیب سے اپنی بات میں موزونیت یا موسیقیت پیدا کر کے دوسروں سے مخاطب نہیں ہوتا اور نہ ہی اپنے خیالات پیش کرنے میں فنی تسلسل کا خیال رکھتا ہے۔ نہ عقلی اور منطقی اصولوں کو پیش نظر رکھتا ہے اور نہ اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے مطلب کو بیان کرنے کے لیے منتخب اور چیدہ الفاظ کو بیان کرے بلکہ ایسے موقعوں پہ جس ترتیب سے موقع و محل کے اعتبار سے خیالات ذہن میں آجاتے ہیں انہیں بیان کرتا جاتا ہے اس طرز تخاطب اور اس انداز سے بات کرنے کو عربی میں لغة التخاطب یا محادثہ کہتے ہیں اور اردو میں ہم اس کو

(1) الإفریقی، جمال الدین ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، الطبعة الثالثة 1414ھ (19/5)۔

(2) احمد بن ابراہیم الهاشمی، جواهر الادب فی ادبیات وإنشاء لغة العرب، المكتبة التجارية الكبرى،

غیر فنی نثر یا عام بول چال کا نام دے سکتے ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جس میں سادہ اسلوب سے بلند ہو کر بلاغت اور فصاحت کے ساتھ اپنے خیالات اور اغراض کو بیان کیا جائے۔ یہ ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جس سے جذبات میں ایک انقلاب اور ہیجان برپا ہوتا ہے۔ اس میں اپنے خیالات کو الفاظ میں پرونے کے لیے فصیح، خوبصورت اور چیدہ الفاظ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اسی طرز بیان کو فنی اور ادبی نثر کہا جاتا ہے۔⁽¹⁾

یاد رہے کہ ادب کا اصل موضوع یہ دوسری قسم ہے جبکہ نثر کی پہلی قسم ادب کا موضوع نہیں ماسوائے ان امثال اور کہادتوں کے جو عام طرز تخاطب میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عام بول چال میں وہ فنی باریکیاں نہیں ہوتی جو کسی کلام کو عام سطح سے اٹھا کر مقام بلاغت تک پہنچا دے، اس لیے نثر کی اس قسم کو ادب کا درجہ حاصل نہیں۔ کیونکہ جب کسی کلام میں فنی شرائط مفقود ہوں، بلند افکار و خیالات سے عاری ہو اور مربوط و منظم سلیقہ سے خوبصورت اور دلکش انداز میں پیش نہ کیا گیا ہو تو اس کو ادب کے زمرے میں شامل نہیں کیا جاتا۔

جبکہ دوسری قسم کو ادبی اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نثر کی اس قسم میں چونکہ وزن اور قافیہ نہیں ہوتا لیکن یہ خاص قاعدوں، ضابطوں اور فن کے متفقہ اصولوں کے مطابق خوبصورت و دلکش الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے اور اس میں اثر اندازی کا وہ وصف جو کسی نثر کے ادب ہونے کے لیے لازمی شرط ہے کامل طور پر موجود ہوتا ہے۔

پھر اس قسم کی نثر یا تو زبان سے ادا ہوتی ہے یا پھر قلم کے ذریعے سے اسے بیان کیا جاتا ہے پہلی قسم کو خطابت فنیہ اور دوسری قسم کو کتابت فنیہ کا نام دیا جاتا ہے۔

(1) شوقی ضیف ، أحمد شوقی عبد السلام ، الفن ومذاهبه في النثر العربي ، دار المعارف ، بيروت

بحثِ ثانی

نثر کی اہمیت

یہ بات اگرچہ اپنی جگہ درست ہے کہ نظم کو نثر پر امتیازی خصوصیات کی وجہ سے کچھ خاص فضیلت حاصل ہے۔ ایک طرف اگر منظوم کلام طویل زمانوں اور مختلف اقوام کے گزرنے کے باوجود زندہ رہتا ہے تو دوسری طرف نثر کی بہ نسبت اس نوع کا حافظوں میں محفوظ رہنا بھی سہل ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ لغوی تحقیقات کے لیے اشعار کے دواوین ہی شواہد کا درجہ رکھتے ہیں مزید برآں قرآن پاک کی تفسیر اور احادیث مبارکہ کی تشریح ہر دونوں کے لیے عربی اشعار ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

ان تمام حقائق کے باوجود نثر کی اہمیت ایک مسلمہ امر ہے بلکہ بعض وجوہ کے بنا پر نثر، نظم سے بھی بلند رتبہ اور اُونچا شرف رکھتی ہے۔ شعر پر نثر کی فضیلت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ شعر ایک خاص وزن اور قافیہ تک محدود رہتا ہے جس کی وجہ سے شاعر الفاظ میں تقدیم و تاخیر، ممدود کو مقصور اور مقصور کو ممدود، منصرف کو غیر منصرف اور غیر منصرف کو منصرف، متروک الفاظ اور فصیح لفظ کو غیر فصیح سے بدلنے کے علاوہ بہت سارے ایسے امور کا محتاج ہوتا ہے جن کا ضرورت شعری تقاضا کرتا ہے۔ گویا نظم میں الفاظ اصل ہوتے ہیں اور معانی الفاظ کے تابع ہوتے ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں نثر ان امور میں کسی چیز کی محتاج نہیں ہوتی، اس میں معانی اصل کا درجہ رکھتے ہیں اور معانی اس کے تابع ہوتے ہیں۔ اس بات کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب بھی کسی نثر کے معانی کو نظم کی طرف منتقل کیا جاتا ہے تو اس کا رتبہ کم ہو جاتا ہے۔

مزید برآں، نثر کی فضیلت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو نثری اسلوب میں نازل فرمایا اور ساتھ ہی اسلوبِ نظم سے نزولِ قرآن کی صراحتاً نفی فرمائی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ﴾^(۱) یعنی: یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم بہت کم یقین رکھتے ہو۔ شعر پر نثر کی فضیلت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو شعر سے محفوظ رکھا۔^(۲)

عصر جاہلی میں نثر کا وجود

زمانہ اسلام سے پہلے دور کا بہت سارا ادبی سرمایہ ضائع ہو چکا ہے اور جو کچھ ہم تک پہنچا ہے ان میں زیادہ تر حصہ

(۱) الحاقہ ۶۹: ۴۱

(۲) یسین: ۶۹

عربی پر مشتمل ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ نظم، مقفی اور موزوں ہونے کی وجہ سے لوگوں کی توجہ کامرکز رہا جو زود حفظ بھی ہوتا ہے اور کافی عرصہ تک یاد بھی رہتا ہے۔ چونکہ زمانہ جاہلیت میں کتابت کارواج نہیں تھا اس لیے نہ تو نثر کی تدوین کا کوئی سامان ہو سکا اور نہ یہ سرمایہ اشعار کی طرح ذہنوں میں محفوظ رہا، لیکن اس کے باوجود عصر جاہلی کی فنی نثر کا وجود ملتا ہے۔ قدیم ادباء اور جدید علمائے ادب کی اکثریت نہ صرف اس زمانہ میں فنی نثر کے وجود کی قائل ہے بلکہ انسانی عقل اور طبیعت دونوں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ جب ان کے لیے شعر کی صورت میں ادبی سرمایہ موجود تھا تو نثر کی صورت میں بھی ہو گا اور شعر کی طرح وہ ادبی نثر بھی اچھی طرح تخلیق کرتے ہوں گے۔ چنانچہ یہ بات دلائل سے ثابت ہے کہ عصر جاہلی کے لوگ فنی اور ادبی نثر سے خوب واقف تھے۔ اس کی پہلی دلیل تو یہ ہے کہ دوسری اقوام جیسے فارس، ہندو اور مصریوں کی فنی نثر کا وجود ملتا ہے تو اہل عرب جن کو اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا، کے ہاں کیسے فنی اور ادبی نثر کا وجود نہ ہو گا؟

دوئم: یہ کہ قرآن مجید کا نزول اور اہل فصاحت کا اُن کو دعوتِ مقابلہ دینا بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ فنی نثر پر قادر تھے اور فنی نثر کے دقائق اور فصاحت و بلاغت کو سمجھتے تھے ورنہ ان کو چیلنج کرنے کا کیا معنی ہو گا؟

مبحث ثالث

نثر جاہلی کے فنون کا تعارفی مطالعہ

نثر جاہلی کی کم دست یابی کے باوجود، ہمیں جو فنون ادب میسر آئے ہیں ان میں درجہ ذیل مشہور ہوئے۔
۱۔ ضرب الامثال (کہاو تیں) ۲۔ حکم (اقوال زریں) ۳۔ خطب (خطبات)

۱۔ امثال (کہاو تیں)

امثال، مثیل کی جمع ہے جس کے معنی اردو میں کہاو ت کے آتا ہے یہ دراصل چھوٹے چھوٹے جملے ہوتے ہیں جو اختصار کے باوجود اپنے وسیع پس منظر کی وجہ سے مخاطب کو فائدہ تامہ دیتے ہیں۔
مثیل کے لغوی معنی، تشبیہ کے معنی کے لیے متضمن ہے چنانچہ ابوہلال عسکری فرماتے ہیں:
"أصل المثل التماثل بين الشيئين، وهو من قولك: هذا مثل الشيء ومثله كما تقول شبه" (1)

"یعنی: مثل کا اصل معنی، دو چیزوں کے درمیان برابری اور مشابہت کے ہے۔ جب تم کہتے ہو کہ: "ہذا مثل الشيء ومثله" تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ "یہ چیز اس چیز کی مانند ہے۔"
اور اس کی اصطلاحی تعریف ادباء کچھ یوں کرتے ہیں:

"وهي عبارات تضرب في حوادث مشبهة للحوادث الأصلية التي جاءت فيها." (2)
"امثال وہ جملے ہوتے ہیں جو مختلف مواقع میں استعمال کیے جاتے ہیں جن سے مقصود ان اصلی واقعات کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جن میں یہ جملے وارد ہوئے ہوتے ہیں۔"

عربی امثال کے بارے میں یہ بات یاد رہے کہ یہ بہت دقیق اور مبہم ہوتے ہیں، ان کا پورا مفہوم اس وقت تک سمجھ میں نہیں آتا جب تک اس کی شرح کے لیے کتب امثال کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ نیز مثیل کے بارے میں یہ اصول مسلم ہے کہ اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا بلکہ جوں کے توں نقل کیا جاتا ہے اگرچہ وہ صرف و نحو یا تذکیر و تانیث کے قواعد کے خلاف ہو۔ (3)

(1) ابوہلال العسکری، جمہرۃ الامثال، دار الجیل 1988ء (7/1)۔

(2) الفن ومذاہبہ فی النثر العربی (۲۱/۱)۔

(3) جمہرۃ الامثال (۷/۱)۔

ضرب الامثال کا ادبی ورثہ

عصر جاہلی نے ہمارے لیے ضرب الامثال کا ایک بڑا ورثہ چھوڑا ہے۔ عباسی دور میں مختلف علمائے کرام نے اس موضوع کی طرف توجہ دی تو سب سے پہلے مفضل الضبی اور ابو عبیدہ نے امثال عرب پر لکھا، جو کتاب الامثال کے نام سے مطالع پائے جاتے ہیں۔ پھر اُن کے بعد ابو ہلال العسکری نے اپنی کتاب 'جمہرة الامثال' میں اور میدانی نے بھی 'مجمع الامثال' میں متعلقہ موضوع پر مزید کام کیا۔ چنانچہ علامہ میدانى رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

"ونظرت فيما جمعه المفضل بن محمد والمفضل بن سلمة حتى لقد تفصحت أكثر من خمسين كتاباً"⁽¹⁾

"یعنی میں نے ان امثال میں بھی غور کیا جن کو المفضل بن محمد اور المفضل بن سلمہ نے جمع کیا تھا یہاں تک میں نے پچاس کتابوں سے زیادہ کا مطالعہ کیا۔"

چند عربی ضرب الامثال کا مطالعہ:

1- قطعت جھیزة قول كل خطيب. ⁽²⁾ "جھیزہ نے تمام خطباء کی بات کاٹ ڈالی۔"

اس ضرب المثل کا پس منظر یہ ہے کہ کچھ لوگ دو قبیلوں کے درمیان قتل کے معاملے میں صلح کرنے کے لیے جمع ہو گئے تھے مقتول کا قبیلہ قصاص کا مقتضی تھا جبکہ قاتل کا قبیلہ انہیں دیت پر راضی کرنا چاہ رہا تھا۔ اس بارے میں مختلف سردار تقریر کر رہے تھے اچانک ایک جھیزہ نامی باندی آئی اور کہا کہ مقتول کے بعض رشتہ داروں نے قاتل کو قتل کر دیا، تو اس دوران ایک آدمی کہنے لگے: "قطعت جھیزة قول كل خطيب" یہ ضرب المثل اب اس وقت بولتے ہیں جب سخت اختلاف رائے ہو اور لوگ اصلاح سے مایوس ہو گئے ہوں اور ایسے وقت میں کوئی فیصلہ کن بات کر بیٹھے۔⁽³⁾

(1) الميداني النيسابوري، أبو الفضل أحمد بن محمد بن إبراهيم، مجمع الامثال، دار المعرفة، بيروت (1/1)۔

(2) الزمخشري، جار الله، المستقصى في امثال العرب، دار الكتب العلمية، 1987ء (2/194)؛ مجمع

الامثال (91/2)

(3) مجمع الامثال (91/2)۔

2- کیف أعاودك وهذا أثر فأسك⁽¹⁾

”میں کیسے تم پر دوبارہ اعتماد کروں حالانکہ یہ تمہاری کلہاڑی کا نشان ہے۔“

اس ضرب المثل کا بنیاد ایک قصہ ہے، جو عرب میں مشہور تھا۔ وہ قصہ یوں ہے کہ دو بھائی تھے جن کی زمین قحط سے متاثر ہوئی۔ ان کے قریب ایک سرسبز وادی تھی، ان میں سے ایک بھائی اس وادی میں جانور چرانے کے لیے اتر۔ اس وادی میں ایک بڑا سانپ رہ رہا تھا، سانپ نے ایک بھائی کو ڈس لیا جس سے وہ مر گیا۔ دوسرا بھائی سانپ سے انتقام لینے کی غرض سے آیا۔ سانپ نے اس سے کہا کہ مجھے چھوڑ دے اور اس وادی سے فائدہ حاصل کرتے رہو، نیز ہر روز مجھ سے ایک دینار لیا کرو۔ دونوں کا اس بات پر باہمی پختہ معاہدہ ہوا اس سے اس بھائی کا مال بہت زیادہ ہوا۔ ایک دن اس کو اپنے بھائی کے ساتھ سانپ کی وہ زیادتی یاد آگئی تو جوش میں آکر انتقام کی نیت سے کلہاڑی لی اور سانپ کی طرف قتل کی نیت سے آگے بڑھا لیکن اس کا وار خطا گیا اور اس کے وار سے سانپ کے موجودہ دل پر وار کا نشان رہ گیا۔ اب دونوں کے مابین معاہدہ ختم ہوا اور سانپ نے دینار دینا بند کر دیا۔ جب اس نے دیکھا تو سانپ سے پرانے معاہدے کی درخواست کی۔ سانپ نے جواب میں کہا: ”کیف أعاودك وهذا أثر فأسك“⁽²⁾

اس کے بعد سانپ اور کلہاڑی کی بات مشہور کہاوٹ بن گئی جو وعدہ شکن آدمی کے وعدہ شکنی کے بیان کرنے کے لیے اس وقت بولا جاتا ہے جب اس کے ساتھ دوبارہ عہد کی بات ہو رہی ہو۔

3- قبل النفاس كنت مصفرة⁽³⁾

”یعنی: تو تو نفاس سے پہلے بھی پیکی تھی۔“

یہ ضرب المثل ایسے بخیل شخص کے لیے بیان کی جاتی ہے، جس کے پاس مال موجود ہو، لیکن وہ اپنی غربت اور مال نہ ہونے کے بہانے کرتا ہو اور باوجود مال داری کے بخل سے کام لیتا ہے۔

۲- حکم (اقوال زریں)

’حکم‘ حکمت کی جمع ہے۔ یہ اس قیمتی اور دانائی سے بھری ہوئی بات کو کہتے ہیں جو کسی مشہور حکیم سمجھا رہا یا

(1) المفصل بن محمد الضبی، امثال العرب، دار الرائد العربی 1983ء، (۱:۱۲۴)؛ مجمع الامثال (۱۳۵/۲)۔

(2) مجمع الامثال (۲:۱۳۵)۔

(3) ایضاً (۲:۹۲)۔

صاحب تجربہ آدمی کے زبان پر جاری ہو۔ یہ مختصر مگر پُر مغز اور دلچسپ ہوتے ہے جو اپنے ایجاز کے باوجود مخاطب کے دل پر اثر انداز ہو کر اس کو مکمل فائدہ دیتا ہے۔
استاد علی الجندی حکمت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والحكمة قول رائع يتضمن حكما صحيحا مسلما به"⁽¹⁾
یعنی: "حکمت اُس دلچسپ قول کو کہتے ہیں جو صحیح اور مسلمہ حکمت پر مشتمل ہو۔"

حکَم (اقوال زریں) کا ادبی ورثہ

ضرب الامثال کی طرح قدیم عربی ادب میں حکَم کا معتد بہ ورثہ ہم تک پہنچا ہے۔ عام طور پر ضرب الامثال پر مشتمل کتابوں میں اقوال زریں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق اس فن کی پہلی متداول کتاب ابو منصور الثعالی رحمہ اللہ کی دُرُر الحِکَم ہے جبکہ دوسری کتاب امام ماوردی رحمہ اللہ کی الامثال والحکم ہے جو ایک جلد میں چھپ گئی ہے۔

عرب میں اقوال زریں کے لیے بہت سارے لوگ مشہور ہوئے جن میں اکثم بن صیفی تمیمی اور عامر بن الظرب العدوانی قابل ذکر ہیں۔

چند عربی اقوال زریں کا مطالعہ

ذیل میں اہل عرب کے چند اقوال زریں مثال کے طور پر ذکر کیے جاتے ہیں۔

1- "المزحة تذهب المهابة"⁽²⁾ "یعنی: مزاح، انسان کے رعب اور ہیبت کو ختم کر دیتا ہے۔"

اسی قول کے ہم معنی یہ قول بھی ہے:

"لا تمازحن الشريف فيحقد عليك، ولا الدني فيتجراً عليك"⁽³⁾

"معزز آدمی کے ساتھ مزاح نہ کرو، ورنہ اس کے دل میں تیرے ساتھ کینہ پیدا ہو گا اور نہ گھٹیا شخص کے ساتھ

(1) علي الجندي، في تاريخ الادب الجاهلي، مكتبة دار التراث 1991ء (١:٢٦٠)؛ جواهر الادب في

ادبيات وإنشاء لغة العرب (ج:٢٦)۔

(2) ابن قتيبة الدينوري، عيون الاخبار، دار الكتب المصرية 1925ء (١:٣٣٩)۔

(3) ابو الطيب المعروف بالوشاء، الظرف والظرفاء، ت:كمال مصطفى، مكتبة الخانجي، مصر 1953ء

ص:١٥)۔

مزاح کرو، ورنہ وہ تم پر جری ہو جائے گا۔“

2- "صدرک أوسع لسرك" (1)

”تیرا سینہ تیرے رازوں کے لیے دوسروں کی نسبت زیادہ وسیع ہے۔“

یعنی اپنے راز کو اپنے سینے ہی میں رہنے دو، کسی دوسرے کے سامنے بیان نہ کرو۔ اس لیے کہ راز جب دوسرے کو بتا دیا جائے تو راز نہیں رہتا، جیسا کہ کہتے ہیں: ”بات منہ سے نکلی اور کوٹھوں پہ چڑھی۔“

۳۔ خطابت

ہماری اردو زبان میں خطبہ بالعموم ایک مذہبی رنگ پر مشتمل تقریر کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن عربی زبان میں ہر قسم کی تقریر کو خطابت کہا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں فن خطابت کو ایک بلند مرتبہ حاصل تھا۔ جس طرح مختلف قبائل کے اپنے اپنے شعراء ہوتے تھے جو اپنے زورِ کلام سے قبیلے کا نام بلند کرتے تھے اور انہیں مکارمِ اخلاق پر ابھارتے تھے اسی طرح ہر قبیلے کے اپنے خطیب بھی ہوتے تھے جو نظم کی بجائے اپنی زور دار تقریروں سے یہ خدمت سرانجام دیتے تھے۔ (2)

عصر جاہلی میں خطابت کے مقاصد اور منزلتِ خطیب

آج ہمیں عصر جاہلی کے نثری سرمائے میں کچھ خاص خطبے بھی موجود ملتے ہیں۔ یہ خطبے مختلف مقاصد کے لیے دیے جاتے تھے۔ کبھی تو نصیحت اور رہنمائی کی غرض سے ایک قبیلہ جمع ہو کر اپنے خطیب کی بات سنتا۔ کیونکہ پیغامِ رسانی کے منظم ذرائع موجود نہ تھے لہذا زبان آور لوگوں کو وفد بنا کر نمائندگی کے لیے بھیجنا بھی وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ اسی طرح قبیلوں کے باہمی جنگ و جدال میں شجاعت اور دفاع پر ابھارنے اور انتقام کا جوش پیدا کرنے کے لیے بھی شاعروں کے پہلو بہ پہلو خطیب کھڑے ہوتے۔ کبھی مختلف اجتماعی مواقع جیسے شادی اور خوشی میں بھی وہ خطیبوں کی خطابت سے لطف اندوز ہونے کو ترجیح دیتے تھے۔ (3)

یہی ایک عام اور مقبول رائے چلی آرہی ہے کہ اس زمانے میں فن خطابت موجود تھی۔ اس لیے کہ جو قوم کسی منظم حکومت اور قانون کے بغیر صحرا میں قبائلی زندگی بسر کر رہی ہو اور ان میں لکھنے پڑھنے کا رواج بھی نہ ہو، تو ان کے ہاں رائے عامہ کو متاثر کرنے کے لیے خطابت کا ہونا ایک فطری امر ہے۔

(1) العقد الفرید (۱:۶۲)۔

(2) تفصیل کے لیے دیکھئے: الجاحظ، البیان والتبيين، مكتبة الخانجي، 1998ء (۱:۱۰)۔

(3) أيضاً۔

آغاز اسلام کے بعض واقعات سے بھی خطابت کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ روایات میں آیا ہے، جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں مسلمانہ کذاب حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے بعد خلافت اُس کے لیے وصیت کرنے کی شرط پر اتباع کی یقین دہانی کرائی تو آپ ﷺ نے سیدنا قیس بن ثابت بن شماس رضی اللہ عنہ کو بات کرنے کا کہا جو خطیب الرسول ﷺ کہلاتے تھے۔⁽¹⁾

زمانہ جاہلیت میں فن خطابت کو نہ صرف قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا بلکہ خطیب کا درجہ اس دور میں شاعر کے درجہ سے بھی بڑھ کر تھا۔ عثمان بن بحر المعروف بالجاحظ نے عمرو بن علاء کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

”زمانہ جاہلیت میں پہلے پہل شاعر کو خطیب سے بلند مرتبہ سمجھا جاتا تھا لیکن جب شعر و شعراء کی کثرت ہو گئی، لوگوں نے اس کو کمائی کا ذریعہ بنایا اور شعراء لوگوں کی مال و دولت کی طرف لپکے تو ان کی نگاہ میں شاعر کا درجہ کم اور خطیب کا درجہ بلند ہو گیا۔“⁽²⁾

علامہ جاحظ نے اس حقیقت کے اعتراف میں خود بھی عمرو ابن علاء کی پیروی کر کے یہی فرمایا ہے کہ شعراء کا مرتبہ اگرچہ جاہلیت میں بلند تھا لیکن شعر و شاعری کی کثرت کے بعد خطیب کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور شعراء سے اونچے درجے پر فائز ہو گئے۔

عصر جاہلی کے چند مشہور خطباء کا تعارف

اسی زمانہ میں جن خطباء نے اپنے زورِ بیان کی وجہ سے شہرت حاصل کی ان میں سے ایک قس بن ساعدہ الایادی ہے، جس کو بہت لمبی عمر سے نوازا گیا تھا۔ دوسرا مشہور نام سحبان بن وائل باہلی کا ہے جس کی فصاحت ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: "فلان أخطب من سحبان" یعنی "فلاں شخص سحبان سے بڑھ کر خطیب ہے۔" کہا جاتا ہے کہ جب وہ خطبہ دیتا تو سمندر کی طرح بہتا، نہ ایک کلمہ دوبارہ لوٹاتا اور نہ کوئی توقف کرتا۔⁽³⁾

اسی طرح قبیلہ بنو تمیم کے مشہور خطباء میں سے ضمرہ بن ضمرہ، اکثم بن صیفی، عمرو ابن اہتم منقری اور قیس بن عاصم کے نام قابل ذکر ہیں۔

خطیب کی زبان آوری کو انتخاب الفاظ، کثرت معنی اور اختصار کلام جیسے معیاروں پر پرکھا جاتا تھا۔ چنانچہ دور جاہلیت کے اکثر خطبے چھوٹے اور پُر مغز جملوں پر مشتمل ہوتے تھے اور خطاب خوبصورت اور مؤثر ہوتا تھا۔

(1) صحیح مسلم (رقم: ۲۲۷۳)۔

(2) تفصیل کے لیے دیکھئے: البیان والتبيين (۱: ۲۸۱)۔

(3) ایضاً۔

قیس بن ساعدہ الایادی کا خطبہ

’قیس بن ساعدہ الایادی کا نام فصاحت و بلاغت میں ضرب المثل ہے۔ اُس کی امتیازی حیثیت، خطباء کے سرخیل کی سمجھی جاتی ہے۔ اُن سے منسوب خطبات اور اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دین برحق کا منتظر تھا۔ اس کے عقائد اس کے سلیم الفطرت ہونے کی دلیل ہیں۔ ذیل میں نمونے کے طور پر اس کا خطبہ ذکر کیا جاتا ہے:

”أيهما الناس اجتمعوا ثم اسمعوا وعوا، كل من عاش مات، وكل من مات فات، وكل ما هو آتٍ آتٍ، إن في السماء لخبراً، وإن في الأرض لمعتبراً، نجوم تمور، وبحار لا تبور، وسقف مرفوع، ومهاد موضوع، ما للناس يذهبون ثم لا يرجعون، أرضوا فأقاموا أم تركوا فناموا؟ إن الله لدينا أحب إليه مما نحن فيه؟“⁽¹⁾

”لوگو! سنو اور دل میں محفوظ کرو، جو جیتا ہے وہ مرتا ہے اور جو مرتا ہے وہ چلا جاتا ہے۔ اور جس چیز کو آنا ہو وہ آکر ہی رہے گی۔ بلاشبہ آسمان رازوں سے لبریز ہے اور بے شک زمین میں عبرتیں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ گھومنے والے تارے، اچھلتی دریائیں، اٹھایا گیا چھت اور بچھائی گئی زمین اس بات کی شاہد ہے کہ جو چلے گئے وہ لوٹنے والے نہیں۔ کیا وہ لوگ دنیا پر قانع ہو کر یہیں کے رہ گئے یا ان کی خبر نہ لی گئی تو وہ سو گئے؟ بلاشبہ اللہ کا ایک ایسا دین ہے جو تمہارے اس دین سے زیادہ پسندیدہ ہے۔“

ہاشم بن عبد مناف کا خطبہ

اسلام کے آنے سے پہلے بھی قریش کو اطراف و اکناف میں معزز تصور کیا جاتا تھا۔ بیت اللہ کی زیارت کے لیے مختلف قبائل دور دراز سے آتے تھے، قریش ان حاجیوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ قبیلہ قریش نے اس خدمت کو آپس میں تقسیم کر دیا تھا۔ حجاج کرام کے کھانے پینے کا انتظام عبد مناف کے ذمہ تھا، بعد میں یہ سقایہ اس کے بیٹے ہاشم کو منتقل ہوا۔

ہاشم بن عبد مناف نے موسم حج میں ایک خطبہ دیا جو قریش کو بیت اللہ کے زائرین کے اکرام کے لیے اُبھار رہا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے:

”يا معشر قریش! أنتم سادة العرب، أحسنها وجوهاً، وأعظمها أحلاماً، وأوسطها أنساباً، وأقربها أرحاماً. يا معشر قریش! أنتم جيران بيت الله، أكرمكم بولايته، وخصكم بجواره، دون بني إسماعيل، وحفظ منكم أحسن ما حفظ جار من جاره؛ فأكرموا

(1) امثال العرب (۱: ۱۱۳): العقد الفرید (۴: ۲۱۵)۔

خلاصہ بحث

عصور العربية الزاهرة، المكتبة العلمية، بيروت (١٤٢١).

اپنی زبان پر قدرت اور روانگی کلام پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر ہر فن کی شان اس کے نمونہ جات سے واضح ہوتی ہے یہ تمام نمونے اہل جاہلیت کی زبانی تبحر کی نشاندہی کرتی ہے اور ان کو بجا طور پر قرآنی فصاحت سے چیلنج دے کر مقابلہ کی دعوت دی گئی۔